"حسن الحدیث" اور "سیی الحفظ" جیسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اس طبقہ میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو کسی بدعتی جماعت: جیسے شیعہ، قدریہ، مُرجیہ اور جہمیہ وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ ان کو: مثلاً "صدوق رُمی بتشیع" وغیرہ تعبیرات سے ذکر کرتے ہیں۔ اس مرتبہ والوں کی حدیث نمبرا کی حسن لذاتہ ہوتی ہے، محدثین ان کی روایات کو بھی غور وفکر کے بعد قبول کرتے تھے۔

پانچواں مرتبہ ان رجال کے لیے ہے جو قلیل الحدیث ہوتے ہیں، یعنی ان کی احادیث ایک سے دس تک کے درمیان ہوتی ہیں اور ان کے لیے کوئی ایسی جرح بھی ثابت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ان کی حدیث چھوڑ دی جائے چنانچہ ایسے رجال میں سے جن کی احادیث میں متابعت کی گئی ہوتی ہے ان کو "مقبول"، "صالح الحدیث"، "صویلح"، "صدوق انشاء اللہ"، "ارجوا بان لاباس بہ" سے تعبیر کرتے تھے۔ اور جن کی متابعت نہیں کی گئی ہوتی ان کو "لین الحدیث" سے تعبیر کرتے۔ ان دوشقوں میں سے مقبول کی حدیث نمبر دو کی حسن لذاتہ ہوتی ہے اور لین الحدیث کی نمبر۳ کی حسن لذاتہ ہوتی ہے۔

چھٹا مرتبہ ان راویوں کا ہے جن میں ادنیٰ درجہ کا ضعف پایا جاتا ہے ان کے لیے محدثین ہلکے درجۂ ضعف کو بیان کرنے والے الفاظ جرح استعمال کرتے تھے۔ مثلاً "فیہ مقال"، "ضعف"، "فیہ ضعف"، "فی حدیثہ ضعف"، "تعرف و تنکر"، "ما اعلم بہ باسا"، "لیس بزاک القوی"، "لیس بالمتین"، "لیس بحجۃ"، "لیس بعمدۃ"، "فیہ خلف طعنوا"، "خلف طعنوا"، "ماھو فیہ خلف"، "طعنوا فیہ"، "سیی الحفظ" اور "فیہ اذلی مقال" جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والا راوی بالکل ساقط الاعتبار اور متروک الحدیث نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی اسے درجہ عدالت سے یکسر خارج کردیا تھا تاہم ایسے راویوں کو کسی حد تک ضعیف و مجروح ضرور سمجھا جاتا تھا اور غور وفکر کے بعد ان کی حدیثوں کو بھی لکھ لیا جاتا تھا۔

ساتواں مرتبہ ان راویوں کا ہے جن میں چھٹے کے مقابلہ میں زیادہ ضعف پایا جاتا ہو، انھیں "لیس بقوی" کہا جاتا تھا۔ اس مرتبہ سے تعلق رکھنے والے راویوں کی حدیث کو ضعیف کہا جاتا تھا مگر تعدد طرق کی صورت میں ضعیف حدیث بلند ہوکر حسن لغیرہ تک پہونچ جاتی ہے۔ ان کی حدیثوں کو بھی محدثین لکھ لیتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق کسی معتبر امام کی توثیق نہیں پائی جاتی۔

آٹھویں درجہ سے تعلق رکھنے والے راویوں کے لیے "ضعیف الحدیث"، "ضعیف"، "منکر الحدیث"، حدیثہ منکر"، "واہ ضعفوہ"، "مضطرب"، "لا یحتج بہ" اور "مجھول" استعمال کرتے تھے۔

ضعف کا آخری یا نواں درجہ رکھنے والے راویوں کے لیے "متروک الحدیث"، "ذاھب الحدیث"، "کذاب" اور "واھیۃ" جیسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ایسے راویوں کی روایات کا بالکل اعتبار نہیں

کیا جاتا تھا۔

اتصال سند:

تیسرا مرحلہ صحت حدیث کی تیسری شرط اتصال سند کی تحقیق کا ہے۔ اتصال سند کے تحقق کے لیے ضروری ہے کہ سند کے ہر راوی کا اس کے شیخ سے سماع ثابت ہو۔ امام بخاری اور ان کے استاذ علی بن مدینی کے نزدیک یہ ضروری ہے۔ محققین نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ جب کہ امام مسلم اور بعض دیگر ائمہ حدیث کے نزدیک معاصرت۔یعنی امکان لقاء۔بھی اتصال کے حکم میں ہے بشرطیکہ راوی مدلّس نہ ہو۔

جہاں تک اس شرط کے تحقق کی معرفت کا سوال ہے تو ثقہ راوی اگر اپنے شیخ سے ''حدثنا''، ''اخبرنا'' اور ''سمعت'' جیسے صریح سماعت پر دلالت کرنے والے صیغوں سے روایت کرتا تو بلاشبہ روایت کا اتصال مانا جائیگا۔

محدثین کے یہاں روایت حدیث کے کل آٹھ طریقے رائج تھے جن میں ہر ایک صیغہ سے تحمل حدیث کی الگ الگ کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ ان کے علاوہ باقی تمام دیگر طرق سے بیان کی ہوئی روایت غیر مقبول سمجھی جاتی تھی۔ وہ آٹھ طریقے حسب ذیل ہیں:

(۱) استاذ کی زبان سے سننا، (۲) استاذ کے سامنے پڑھنا، (۳) اجازت، (۴) مناولہ، (۵) کتابت، (۶) اعلان عام، (۷) وصیت، (۸) وجادت۔ ان میں سے ہر ایک سے متعلق کچھ ضروری تفصیلات ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) سماع۔ استاذ کی زبان سے سننا:

استاذ اپنی زبان سے حدیث کے الفاظ بیان کرے، خواہ یادداشت سے یا کتاب سے دیکھ کر اور مستفدین خواہ لکھیں یا صرف سنیں۔ تحصیل حدیث کی تمام صورتوں میں یہ سب سے اعلیٰ صورت ہے اس صورت میں راوی کے لیے اگر تنہا ہو تو سمعت یا حدثنی اور اگر سماعت میں جماعت شریک ہے تو سمعنا اور حدثنا کے الفاظ بیان کرنا لازم تھا۔

(۲) قراءۃ علی الشیخ (استاد کے سامنے پڑھنا):

اس کی صورت یہ ہے کہ شاگرد حدیث کی قرأۃ کرے اور شیخ اسے سنے تو ایسی صورت میں شاگرد کے لیے لازم تھا کہ وہ اخبرنی یا (بصورت مجلس) اخبرنا کہہ کر روایت بیان کرے۔ اکثر محدثین کے یہاں یہ صورت عرض کے نام مشہور ہے۔ تمام ائمہ کے نزدیک اس طرح حدیث کی تحصیل اور اس کے نقل و بیان کی یہ صورت بھی صحیح و معتمد ہے لیکن پہلی صورت سے کمتر ہے۔

(۳) اجازۃ: یعنی نقل حدیث کی تحریری یا زبانی اجازت:

اسکی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے کسی ایک معین شاگرد سے کہے اجزت لك ان تروی عنی (میں تم کو

فلاں کتاب سے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں) اب اگر راوی ان حدیثوں کی روایت کرتا ہے تو اس کے لیے تحمل حدیث کی کیفیت بیان کرنا لازم تھا کہ وہ اس کے لیے 'انبأنی' کہے۔ یہ طریقہ بھی جمہور کے نزدیک معمول بھی اور صحیح ہے۔

(۴) مناولہ: اس کے لغوی معنی دینا، عطا کرنا، اصطلاحی معنیٰ کسی شیخ کا اپنے شاگرد کو اپنی کوئی تحریر یا کتاب عطا کرنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنے کسی شاگرد کو اپنی کتاب دے کر کہتا کہ یہ روایتیں میں نے فلاں سے نقل کی ہیں، تم یہ حدیثیں مجھ سے روایت کر سکتے ہو، پھر یہ کتاب شاگرد کی ملکیت میں رہتی یا شیخ شاگرد کو کتاب سے نقل کرنے کے لیے بطور عاریت دیتا، تو ایسی صورت میں شاگرد جب اس سے روایت نقل کرتا تو صیغۂ ادائیگی میں ناولنی، اجازلی، حدثنی مناولة یا اخبرنی مناولة واجازة کہنا ضروری تھا۔ اس صورت سے گرچہ روایت جائز ہے، لیکن پہلی دونوں صورتوں سے کمتر اور اجازت کی دوسری تمام صورتوں سے اوپر ہے۔

(۵) کتابت: یعنی شیخ اپنی سنی ہوئی احادیث کو خود لکھ کر یا لکھوا کر کسی کو دیتا اور اس کی بھی صراحت کر دیتا کہ میں نے جو کچھ لکھ کر دیا یا بھیجا ہے اس کی روایت کی تم کو اجازت ہے۔ ایسی صورت میں شاگرد جب اس نسخہ سے روایت کرتا تو کہنا ضروری تھا "کتب الی فلان حدثنی فلان یا حدثنی کتابة"، محدثین کے نزدیک یہ صورت بھی صحیح اور جائز تھی جو مناولہ مع اجازت کے مانند ہے۔

(۶) إعلام: لغوی معنیٰ اعلان کرنا، خبر دینا، اصطلاحی معنی: محدث کا یہ خبر دینا کا فلاں حدیث یا فلاں کتاب اس کی سنی ہوئی ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ حدیث بیان کرنے یا کتاب دینے کے بعد شاگرد سے یہ کہے کہ یہ حدیث یا کتاب اس کی مسموعات میں سے ہے، ساتھ ہی شاگرد کو اس سے روایت کی اجازت بھی دیتا تو ایسی صورت میں شاگرد کو روایت بیان کرتے وقت کہنا ضروری ہوتا 'اعلمنی شیخی بکذا'۔ یہ طریقہ بھی محدثین کے یہاں بالاتفاق جائز ہے۔

(۷) وصیت: اس کی صورت یہ ہے کہ محدث اپنی موت یا سفر کے وقت اپنی جمع کردہ کسی کتاب کے حق میں کسی کے لیے وصیت کر جاتا۔ ایسی صورت میں اس شخص کے لیے اس امانت/کتاب سے روایت نقل کرنا جائز نہیں تھا بجز اس کے کہ وصیت کرنے والا اس سے نقل روایت کی بھی اجازت دے دیتا۔ بعد اجازت اگر وہ شخص اس سے حدیثیں نقل کرتا تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کہے اوصی الی فلان بکذا یا حدثنی فلان وصیةً۔ روایت کی یہ صورت بھی جائز ہے ورنہ اجازت کے بغیر محض وصیت کی بنیاد پر اس سے نقل روایت جائز نہیں۔

(۸) وجادہ: لغوی معنیٰ پانا، اصطلاحی معنی: کسی شخص کا کسی محدث کی تحریر کردہ کسی روایت یا کتاب کا پانا جس کے خط کو وہ پہچانتا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شاگرد اپنے شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی احادیث پاتا جس سے شیخ

روایت کرتا تھا لیکن شیخ سے اس پانے والے شخص کا نہ سماع ثابت ہوتا اور نہ اجازت ایسی صورت میں اس تحریر سے روایت نقل کرنا درست نہیں ہوتا بجز اس کے کہ راوی اس سے روایت نقل کرتے وقت یہ کہتا وجدت بخط فلاں یا قرأت بخط فلاں۔

ان آٹھ صورتوں میں صرف پہلی اور دوسری صورت سے اتصال ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ چھ صورتوں کی زیادہ قدر و قیمت نہیں۔ ان کی بابت محدثین کے درمیان بہت اختلاف ہے۔

راوی اور شیخ کے درمیان لقاء اور سماعت معلوم کرنے کے لیے کتب رجال بھی ہیں خاص طور پر حافظ مزی کی کتاب تہذیب الکمال، جو حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب ہے، اس کتاب میں حافظ مزی نے ان شیوخ و تلامذہ کی وضاحت کا اہتمام کیا ہے جن سے ان کو سماع حاصل ہے، شیوخ و تلامذہ کی فہرست میں مزی نے ممکنہ حد تک استیعاب کی کوشش کی ہے۔

سند پر حکم لگانے کا طریقہ:

گذشتہ تین مراحل یعنی راوی کا عدل و ضبط اور اتصال سند کی تحقیق کے بعد سند پر حکم لگانے کا مرحلہ آتا ہے۔ اس کے لیے ذیل میں مذکور ہدایات ذہن میں رکھنی ہونگی۔

(۱) اگر سند کے تمام راوی پہلے، دوسرے اور تیسرے مرتبہ سے تعلق رکھتے ہیں تو کہا جائے گا "اسنادہ صحیح" اگر ان میں سے کوئی راوی چوتھے یا پانچویں درجہ سے تعلق رکھتا ہے تو کہا جائے گا "اسنادہ حسن"۔

(۲) اگر سند میں کوئی راوی چھٹے، ساتویں یا آٹھویں درجہ سے تعلق رکھتا ہے تو کہا جائے گا "اسنادہ ضعیف"۔

(۳) اگر نویں درجہ سے تعلق رکھتا ہے تو کہا جائے گا "اسنادہ متروك" یا "اسنادہ موضوع"۔

(۴) واضح رہے کہ نتیجہ ہمیشہ ادنیٰ راوی کے تابع ہوتا ہے یعنی اگر کسی سند میں چار راوی ثقہ ہیں اور کوئی ایک راوی ضعیف ہو تو حدیث پر ضعیف کا اطلاق ہوگا اور ان ثقہ راویوں کا حدیث پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

(۵) اگر چوتھے اور پانچویں مرتبہ والے راویوں کو ان ہی جیسے یا ان سے اچھے رواۃ سے متابعت حاصل ہو جائے تو سند پر صحیح کا حکم لگ جائے گا یہ صحیح لغیرہ ہوگی اور اس میں بھی وہی فرق مراتب ہوگا جو حسن لذاتہ میں تھا۔

(۶) ۶، ۷ اور ۸ ویں مرتبہ والوں کو اگر متابعت حاصل ہو جائے تو ان کی سند ضعیف سے اٹھ کر حسب مراتب حسن لغیرہ تک پہونچ جائے گی لہٰذا یہ کہا جائے گا "اسنادہ حسن"۔

(۷) نویں درجہ کے راویوں کو تعدد طرق سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا یعنی ان کی سند میں کوئی قوت نہیں آتی۔ رہا متن تو اس مرتبہ کی حدیث کے اگر عواضد و متابعات متعدد ہوں تو اس پر حسن لغیرہ کا حکم لگ سکتا ہے۔

شذوذ وعلل کا نہ ہونا:

صحت حدیث کا چوتھا مرحلہ شذوذ وعلل سے محفوظ ہونے کی تحقیق کا ہے۔ شذوذ کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی اپنی روایت میں اپنے سے زیادہ ثقہ یا اپنے جیسے یا اپنے سے کمتر متعدد ثقات کی حدیث کی مخالفت کرے۔

اور علت سے مراد یہ ہے کہ سند کے بظاہر صحیح ہونے کے باوجود اس میں باطنی طور پر کوئی ایسی علت ہو جو حدیث کو ناقابل قبول قرار دے رہی ہو۔ علت کبھی سند میں پائی جاتی ہے کبھی متن میں اور کبھی دونوں میں۔ یہی حال شذوذ کا بھی ہوتا ہے۔ شذوذ بھی درحقیقت علت کی ایک صورت ہے۔ علت کی شناخت کے بعد اس کی بہت سی صورتیں بنتی ہیں جن کو الگ الگ نام سے موسوم کیا جاتا ہے مثلاً شاذ، منکر، مرسل خفی، مقلوب، مصحف، مدرج اور مضطرب وغیرہ اور کچھ ایسی بھی صورتیں بچتی ہیں جن کو کوئی نام نہیں دیا جاتا انھیں فقط معلل قرار دیتے ہیں۔ سند میں یہ چیزیں دیکھنا ایک اہم اور دشوار کن مرحلہ ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ثقہ راوی نے جو بیان کیا ہے وہ صحیح ہی ہو، اس میں وہ کسی وہم وخطا اور نسیان کا بھی شکار ہوسکتا ہے۔ اس لیے زیر بحث حدیث کے تمام طرق کو جمع کر کے رواۃ اور متن حدیث کے اختلافات کو دیکھنا ہوتا ہے جس سے راویوں کی غلطی اور اس کا سبب گرفت میں آجاتا ہے، مثلاً راوی کا ذھول، نسیان، اپنے نوشتوں سے دور سفر میں ہونا، بڑھاپا اور ناجنس کی صحبت وغیرہ۔ اس لیے یہ کام رجال سے متعلق وسعت معلومات کا طالب ہے اور ساتھ ہی دقت نظر کا بھی اور اس مرحلہ سے گذرے بغیر کسی حدیث سے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ویسے علماء نے علل سے متعلق ایسی کتابیں تالیف کی ہیں جن سے واقفیت اس کام کو آسان کردیتی ہے مثلاً علل الحدیث ابن ابی حاتم، العلل ومعرفة الرجال امام احمد، العلل ابن مدینی، العلل الکبیر ترمذی، العلل الصغیر ترمذی، العلل الواردة فی الاحادیث النبویة دار قطنی موخرالذکر اس موضوع کی جامع ومفید کتاب ہے۔

نقد سند کے تمام مرحلوں اور اصولوں کو عمل میں لاتے ہوئے ایک مثال دی جاتی ہے تاکہ ان اصولوں کو منطبق کرنا آسان ہو۔ امام نسائی نے ایک روایت یوں بیان کی ہے: اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود قال حدثنا خالد بن الحارث قال حدثنا حسین المعلم عن عمرو بن شعیب ان اباہ حدثہ عن عبداللہ بن عمرو قال لما فتح رسول اللہ ﷺ مکة قام خطیبا فقال فی خطبتہ لایجوز لامرأة عطیة الا باذن زوجھا۔ اس حدیث کی سند میں ۶/ رواۃ ہیں۔ اس حدیث کا حال جاننے کے لیے ہم کو اولاً ان کے تراجم تلاش کرنے ہوں گے، چونکہ نسائی صحاح ستہ میں سے ہے اس لیے ان کے تراجم کا تلاش کرنا بایں معنیٰ کسی قدر آسان ہے کہ کسی ایسی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے جس میں صحاح ستہ کے رواۃ کے تراجم ہی کو جمع کیا گیا ہو۔ اس کے لیے ابن حجر کی کتاب

تقریب التہذیب بہت مفید ہے۔ اور ذکر کیا جاچکا ہے کہ تراجم کی کتابوں میں ناموں کی ترتیب حروف ہجا کے اعتبار سے ہوتی ہے لہٰذا سلسلہ وار ہر راوی کا ترجمہ اس کے نام سے پہلے حرف کے مطابق فہرست والے حصہ میں تلاش کیا جائے گا۔ پہلے راوی اسماعیل بن مسعود کا ذکر ہمزہ والے اسماء کی فہرست میں ملے گا اور اگر اس نام کے کئی راوی ہوں تو سب کی کنیت الگ الگ ہوگی۔ اگر کنیت نہیں معلوم تو راوی کے نام کے ساتھ ایک قرینہ/ رمز بھی ذکر کیا گیا ہے مثلاً ''س'' سے مراد نسائی ہے جب کہ دوسرا رمز سے دوسری کتاب کے راوی کی طرف اشارہ ہے۔

اسی طرح دیگر رواۃ کے تراجم دیکھنے ہوں گے۔ راوی کا ترجمہ تلاش کرنے کے بعد اس کی عدالت وضبط کو جاننے کا مرحلہ آتا ہے، چنانچہ سب کے تراجم سے ان کی عدالت وضبط کے متعلق فیصلے دیکھے جائیں گے۔ ان فیصلوں کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء نے پہلے تین رواۃ کو اعلیٰ درجہ کا عادل وضابط قرار دیا ہے اور آخری راوی صحابی ہیں ان کے متعلق کچھ کہنے وسوچنے کی ضرورت نہیں البتہ چوتھے اور پانچویں راوی کی بابت کچھ کلام ہے مگر معتمد وہ بھی ہیں۔ لہٰذا رواۃ کی عدالت وضبط تو لائق اطمینان ہے۔

رہی تیسری شرط اتصال سند، تو نسائی سے لے کر حسین تک تو اتصال ثابت ہے اس لیے کہ اخبرنا اور حدثنا کے الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی گئی ہے کیونکہ یہ الفاظ براہ راست سننے کی صورت میں ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔ البتہ حسین معلم نے اپنے شیخ عمرو بن شعیب سے اور عمرو بن شعیب کے والد نے حضرت عبداللہ بن عمر سے حدیث کو لفظ ''عن'' کے واسطے سے نقل کیا ہے اور عن کے ذریعہ حدیث کی روایت کے سلسلہ میں صحیح ومعمول بہ قول جو جمہور فقہاء اور محدثین کا ہے وہ یہ ہے کہ چند شرائط کے ساتھ اس کو متصل شمار کیا جائے گا (۱) عن کے ذریعہ روایت کرنے والا مدلس نہ ہو (۲) جن دو راویوں کے درمیان لفظ عن آرہا ہے ان کے درمیان ملاقات کا امکان پایا جاتا ہو یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہو۔ چونکہ حسین مدلس نہیں اس لیے ان کا عنعنہ اتصال وسماع پر محمول ہے۔ اور شعیب گرچہ مدلس ہیں مگر ایسے کہ محدثین ان کی تدلیس کو گوارہ کرتے ہیں مزید یہ کہ شعیب کا عبداللہ بن عمر سے سماع بھی ثابت ہے اس لیے مجموعی طور پر حدیث کا اتصال ثابت ہے۔

جہاں تک شذوذ وعلت کی بات ہے تو بظاہر اس حدیث کے حق میں کسی قسم کے شذوذ یا علت کا ثبوت نہیں ہے اس لیے حدیث کی صحت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ چوتھے اور پانچویں راوی کی بابت کچھ کلام ہے اس لیے صحیح کے ادنیٰ مرتبہ میں یا حسن کے اعلیٰ مرتبہ کی حدیث قرار دی جائے گی۔

کرنل (ریٹائرڈ) محمد اعظم

دارالعلوم حقانیہ اور اس کے بانی

(۷ ستمبر ۸۸ء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کے یوم وفات کی مناسبت سے)

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الٰہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ

مساجد اور مدارس اسلامیہ نے مسلمان سلاطین کے عہد حکومت میں مسلم امہ کی تعلیم میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستان میں مسلم سلاطین کے عہد میں وہ مسلمان بچے جو قرآن کریم پڑھنے کیلئے مسجد کے مولوی صاحب کے پاس بھیجے جاتے تھے کہ وہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وہ بچہ جو مسجد مکتب میں قرآن پاک پڑھنے گیا بہت تھوڑی سی کوشش سے فارسی حروف تہجی پڑھ لیتا تھا۔ فارسی اس وقت سرکاری زبان تھی اور اس کا سیکھنا چنداں مشکل نہ تھا۔ انہی وجوہات کی بنا پر اس زمانے میں مسلمانوں میں تعلیم کی اوسط تقریباً ۶۰ فیصد کے لگ بھگ تھی جو کہ انگریزوں کے عہد حکومت میں ۱۶ فیصد اور آجکل ۴۵ فیصد ہے۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مسلم طلبہ دارالعلوم کو بھیجے جاتے تھے۔ جو کہ مختلف اہم مقامات پر ملک کے اندر قائم کئے جاتے تھے۔ یہ دارالعلوم اپنے وقت کے معروف علماً کے زیر نگرانی چلتے تھے اور طلبہ کو مفت خوراک، رہائش کے علاوہ مفت تعلیم بھی مہیا کرتے تھے۔ جس میں متفرق مذہبی اور دوسرے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ ہندوستان میں رہنے والے ہندوؤں کی تعلیمی حالت یوں نہ تھی بلکہ بے حد ابتر تھی کیونکہ ہندو مذہب میں گیتا اور ویدوں کا پڑھنا صرف برہمن کا حق تھا اس سے کم کسی دوسرے درجے کے ہندو کو کسی مذہبی کتاب کو ہاتھ لگانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ نچلے درجہ کے ہندو شودھر کو گیتا اور وید کے اشلوک سننے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ پڑھنا لکھنا صرف برہمن ہی کا حق سمجھا جاتا ہے۔ ان حالات میں ہندوؤں کی تعلیمی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہونا چاہیے۔

اس زمانے میں مسلمانوں نے ہندو بچوں کو مسجد مکاتب میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور ہندوستان بھر میں ہزاروں ہندو طلباً مسجد مدارس اور دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے مسلمانوں کی مذہبی رواداری، کشادہ دلی اور مساوی سلوک کا اندازہ اسی ایک بات سے لگ جانا چاہیے کہ مسلمانوں کی حکومت نے ہندوؤں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اپنے بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ کپڑے کا ایک ہندو بیوپاری جس کا تعلق اکوڑہ سے تھا مسجد مدارس میں طلباً کو مثنوی مولانا روم پڑھایا کرتا تھا سعدی کی گلستان اور بوستان ہم نے خود ہندوؤں کی زبانی سنی ہے جو